وفیات

''اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی''

مولانا ڈاکٹر سیف الرحمٰن
رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جامعہ عربیہ مفتاح العلوم حیدر آباد کے مہتمم، ممتاز و بزرگ عالم دین، یادگار اسلاف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مورخہ 23 فروری 2011ء بروز بدھ انتقال فرما گئے، (اناللہ وانا الیہ راجعون)، مرحوم کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ان فضلاء میں ہوتا ہے، جنہوں نے نام ونمود سے کوسوں دور رہ کر گمنامی کی زندگی گزارتے ہوئے نصف صدی سے زائد عرصہ تک علوم نبوت کی تدریس میں شاندار خدمت انجام دی۔ آپ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے ہم سبق تھے، ہزارہ ڈویژن میں تربیلا ڈیم کے منصوبہ کی تکمیل کی زد میں آنے والے علاقے کی ایک بستی ''لقمانیہ'' کے ایک دین دار گھرانے میں رحمت اللہ ولد برکت اللہ کے گھر میں 1919ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقہ میں حاصل کی، بعدازاں صرف ونحو اور شعبہ کتب کے ابتدائی درجوں کی تعلیم صرف کے حوالے سے مشہور عالم دین ''اٹی والا بابا'' کے ہاں ''اٹی'' میں اور شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کے ہاں تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی اور دیگر مقامی مدارس میں حاصل کی، بعدازاں دورۂ حدیث شریف کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور 1947ء میں صحاح ستہ کی تکمیل کے بعد دورۂ حدیث کا امتحان پاس کیا، دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالحق آف اکوڑہ خٹک اور حضرت مولانا عبدالرحمان کیملپوریؒ وغیرہ شامل تھے، فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا باقاعدہ آغاز 1368ھ میں شجاع آباد سے 32 میل کی مسافت پر قائم بستی ''بہلی'' سے کیا، جب جامع الشریعت والطریقت حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی نوراللہ مرقدہٗ

شجاع آباد منتقل ہو گئے اور بہلی شریف میں قائم تعلیمی نظام آپ کے سپرد کر دیا۔ جس کا تذکرہ ماسٹر محمد عمر آف خان گڑھ کی تالیف "انوار بہلویہ" کے صفحہ 25 پر ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

"1368ء میں ایک متبحر عالم مولانا شمس الدین صاحب کو رکھ کر آپ نے (حضرت بہلویؒ) بوجہ ضعیفی سبکدوش ہو کر اپنی زیر نگرانی مدرسہ کے کام کو جاری رکھا۔"

بعد ازاں حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبدالرشید درخواستیؒ نے آپ کا تقرر جامعہ مخزن العلوم خانپور کر دیا، جہاں تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے بحیثیت ناظم بھی اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھایا، جس کا ذکر حضرت درخواستیؒ اکثر کیا کرتے تھے، پھر 1958ء میں حضرت درخواستی رحمہ اللہ نے آپ کی تشکیل جامعہ مفتاح العلوم حیدرآباد کے لیے کر دی اور آپ نے بحیثیت مدرس اپنی خدمات کا آغاز کر دیا، پھر آپ کے اعلیٰ فقہی مزاج اور ذوق کے پیش نظر دارالافتاء میں افتاء کی خدمت کی سعادت بھی تادم آخر آپ کے حصے میں رہی، جب خانپور سے حیدرآباد تشریف لائے تو اس وقت جامعہ مفتاح العلوم کے مہتمم ایک علم دوست غیر عالم مخلص شخصیت منشی شمس الدین صاحب تھے اور بحیثیت مدرس و منتظم ممتاز عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب تھے جو بعد میں جامعہ کے مہتمم بنائے گئے، جن کے زیر اہتمام حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک طویل مدت تک جامعہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں، اس طویل المدت عرصے جس میں دونوں بزرگوں نے باہمی مشاورت اور اشتراک عمل کے ذریعے جامعہ کے تعلیمی نظام و معیار کو اس حد تک بلند کر دیا کہ ملک کے چاروں صوبوں اور شمالی علاقہ جات سے تعلق رکھنے والے تشنگان علوم نبویہ جامعہ کی طرف رجوع کرنے لگے اور درجہ ابتدائیہ تا دورۂ حدیث تمام درجات مکمل طور پر پڑھائے جانے لگے۔ 1994ء میں جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا عبدالرؤف صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت مفتی شمس الدین صاحبؒ کو جامعہ کا مہتمم بنا دیا گیا اور آپ درس و تدریس کی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ تا حیات اہتمام کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے، حضرت مفتی صاحب تبحر علمی کے ساتھ ساتھ تقویٰ، للّٰہیت، منکسر المزاجی اور سادگی جیسی صفات میں اپنے اکابر و اسلاف کا درخشندہ نمونہ تھے، نام و نمود اور ظاہری وضع داری اور تصنّع بناوٹ جیسی چیزوں سے پاک و صاف ایک سیدھے سادھے کھرے حق گو عالم دین تھے، جامعہ کے بیت المال میں سے خرچ کرنے کے معاملے میں انتہائی درجہ محتاط تھے، سادگی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات جامعہ کے بڑے طلباء کے علاوہ شعبۂ قرآن کریم کے چھوٹے بچے آپ کے چاروں طرف حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور ایسے بے تکلفانہ گفتگو کرتے، جیسے بچے اپنے والدین سے کرتے ہیں اور آپ انتہائی شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی باتیں سنتے، سفر و حضر میں کبھی اپنے لئے کسی ممتاز حیثیت کو نہ اپناتے، آپ کی سادگی کو دیکھ کر کسی نئے آنے والے کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آپ الگ اتنے بڑے دینی ادارے کے مہتمم ہیں، آپ جیسی شخصیات کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

پیدا کہاں ہیں ایسی پرانی طبع کے لوگ　　　　افسوس کے تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

حضرت مفتی صاحبؒ کو مسلک علماء دیوبند سے متعلقہ تمام دینی جماعتوں سے محبت تھی، بالخصوص جمعیت علمائے اسلام کے منشور اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد کے زبردست حامی تھے اور جمعیت کی تنظیم سازی میں حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی خدمات کے بہت مداح تھے، ابتدائی زمانہ میں آپ نے حیدرآباد میں جمعیت کی تنظیم سازی کے لئے عملاً بہت کام کیا، تاہم اپنی تدریسی مصروفیات کی وجہ سے یہ تسلسل جاری نہ رکھ سکے، لیکن سرپرستی اور مخلصانہ جذبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ گزشتہ صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں سے ایک میں جمعیت کے ایک عالم دین کے حلقہ انتخاب میں قائم پولنگ اسٹیشن میں جمعیت کے ایجنٹ کے لئے کرسی کی ضرورت تھی، حضرت مفتی صاحب نے سن لیا، تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ مفتی صاحب ایک کرسی سر پر اٹھائے پولنگ اسٹیشن کی طرف آرہے ہیں، جمعیت کے امیدوار مقامی عالم دین مولانا شبیر احمد خان دیکھ کر رو پڑے اور عرض کیا:

”استاذ جی! ووٹ جتنے بھی ملیں، لیکن عنداللہ ہم جیت گئے ہیں“۔

غرض یہ کہ مفتی صاحب اپنی بہت سی خوبیوں اور صفات میں اپنے بزرگوں اور اساتذہ کی روایات کے امین تھے۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں حضرت مولانا میاں سعود احمد دین پوری شریف، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی ظاہر پیر، حضرت مولانا فدا الرحمان درخواستی، حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری جیسے کئی بزرگ علماء بھی شامل ہیں۔

بالآخر اسم بامسمی ماہتاب علوم نبوت طویل عرصہ علم کی روشنی پھیلا کر بقضاء الٰہی دنیا رنگ و بو کو چھوڑ کر اپنے رب کے مقام کریم کی طرف منتقل ہوگئے، آپ کی نماز جنازہ آپ کے برادر نسبتی مدینہ یونیورسٹی کے فاضل مولانا قاری محمد طیب مدنی آف واہ کینٹ نے پڑھائی اور اس مقدس امانت کو ہزاروں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا، اب جامعہ کے در و دیوار زبان حال سے پکار رہے ہیں:۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں　　　　گرچہ بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

کراچی میں ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے سندھ کے وزیر تعلیم و خواندگی پیر مظہر الحق نے کہا ہے کہ ”سرکاری اسکولوں میں تعلیم کا معیار بہتر بنانے کے لیے جلد ہی پہلی جماعت سے انگریزی کو لازمی قرار دے دیا جائے گا اور تیسری جماعت سے سائنس اور ریاضی انگریزی میں پڑھائے جائیں گے“۔

انگریزی زبان کی بین الاقوامی اہمیت اور اعلیٰ تعلیمی سطح پر اس کے سیکھنے سکھانے کی ضرورت سے انکار نہیں، لیکن جہاں تک تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے انگریزی کو پہلی جماعت سے لازمی قرار دینے کے اقدام کا تعلق ہے تو یہ محل نظر ہے۔ دنیا بھر کے تمام ماہرین تعلیم اس امر پر متفق ہیں کہ بچوں کو کم از کم ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان میں دی جانی چاہیے۔ امریکا، کینیڈا اور انگلستان میں بلاشبہ انگریزی مادری زبان ہے، لیکن روس اور چین سے لے کر شمالی و جنوبی کوریا اور جاپان، جرمنی سے لے کر پورے یورپ میں صرف اور صرف مقامی، قومی اور مادری زبان پڑھائی جاتی ہیں۔ ایوب خان کے دور میں برطانیہ سے ایک وفد آیا تھا، اسے ایک مقامی انگریزی میڈیم اسکول کا دورہ کروانے کے بعد وفد کا ردعمل معلوم کیا گیا تو وفد کے ایک سرکردہ رکن نے یہ تبصرہ کیا کہ ”آپ پاکستانیوں کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے۔ میں اگر اپنے ملک میں انگریزی بچوں کو اردو میں تعلیم دلوانے کی سفارش کروں تو یقیناً ایک رات مجھے دماغی امراض کے ہسپتال میں کاٹنا پڑے گی“۔ اس انگریز کا یہ تبصرہ کافی سے زیادہ وضاحت ہے۔